جاوید غامدی کی انگریزی شاعری: سرقے کا عالمی شاہکار

''مقامات'' کی چار انگریزی نظموں کا تجزیہ

[پہلی قسط]

جاوید غامدی صاحب اسلام پر طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ انگریزی میں شاعری کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ اس شوق کا اظہار ان کی کتاب ''مقامات'' کے آخر میں ص ۱۷۹ تا ص ۱۸۲ چار انگریزی نظموں کے ذریعے ہوا۔ یہ چار نظمیں جو صرف ۶۴ مصرعوں پر مشتمل ہیں ان کی ردی شاعری کی زنبیل کے ''چنیدہ خوشے'' ہیں لیکن ان خوشوں میں نہ رس ہے، نہ خوشبو نہ لذت نہ رنگ نہ موسیقیت نہ غنائیت، نہ شعریت نہ بلندی خیال ان کی شاعری بھی ان کے افکار کی طرح ژولیدہ، پژمردہ اور بے ہودہ ہے۔ ان نظموں میں اظہار کا پیرایہ یہ ظاہر نہیں کرتا کہ یہ ان سالوں میں لکھی گئی ہیں جو ان نظموں کے ذیل میں درج ہیں۔ یہ ان نظموں کی Lack of Originality کو ظاہر کرتی ہیں۔ جگہ جگہ کلاسیکی انگریزی شعراء کے مصرعے [Lines] اٹھا لیے گئے ہیں جنھیں معمولی ردوبدل [Mould] کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ شاعر نے شاید انگریزی شاعری تو کہیں کہیں سے پڑھی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اس زبان میں اظہار کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

اسی طرح یونانی دیو مالا کا استعمال بھی بے جا نظر آتا ہے۔ متروک [Arclaic] الفاظ کا استعمال جیسے thou, art وغیرہ بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تحریریں جنھیں اگر نظمیں کہا جائے تو زبردستی کی ہیں۔ غنائیت موسیقیت اور سلاست و روانی سے محروم۔ سوال یہ ہے کہ جب غامدی صاحب کو عربی نہیں آتی تو عربی زبان میں کیوں لکھتے ہیں اسلام کو نہیں جانتے تو اسلام پر طبع آزمائی کیوں کرتے ہیں اور انگریزی نہیں آتی تو انگریزی میں شاعری کیوں فرماتے ہیں، غامدی صاحب نے کیٹس اور شیکسپیئر کے مصرعوں پر دھڑلے سے ہاتھ صاف کیا ہے۔ اس کی واحد وجہ تملق، تکبر، تصنع، تعقر، غرور کہ میں کئی زبانوں کا ماہر ہوں، عوام تو جاہل ہوتے ہیں خواص بھی اجہل ہیں کسی نے ان کی بے ربط سرقہ شدہ شاعری کو محسوس نہیں کیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غامدی صاحب کی کتابیں کوئی پڑھتا نہیں یا پڑھتا ہے تو غور نہیں کرتا۔

جاوید غامدی صاحب کی کل چار نظموں کی شاعری مشہور انگریزی نظموں کے مصرعوں کے جوڑ توڑ پر مشتمل ہے۔ بیشتر

D:\Raf\Javed Ghamidi Angrazi

مقامات پر انگریزی شعراء کی تراکیب پر بلا تکلف ہاتھ صاف کیا گیا ہے اور کچھ جگہ تو پوری پوری سطریں نہایت معمولی ردوبدل کے ساتھ سرقہ کر لی گئی ہے۔

غامدی صاحب نے ''مقامات'' میں کل چونسٹھ مصرعوں پر مشتمل انگریزی شاعری شائع کی تھی جس میں سے ۸ مصرعے سرقے پر مشتمل ہیں۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔ ہماری تحقیق جاری ہے۔ انشاء اللہ مزید سرقہ شدہ مصرعوں کا ثبوت بھی انگریزی ادبیات سے مل جائے گا۔ سرقہ شدہ مصرعے ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ غامدی صاحب

As though of venom I had drunk, I feel!

۱۔ Keats :

As though of hemlock I had drunk

[Ode to a Nightangale]

۲۔ غامدی صاحب:

Of love amid the cheating elves' romance:

[Cheating elves کی ترکیب Keats سے سرقہ کی گئی ہے]

۲۔ Keats:

As she is famed to do, deceiving elf.

[Ode to a Nightingale]

۳۔ غامدی صاحب

To the Arabian Lord, ay, I will fly to thee

۳۔ Keats:

Away! away! for I will fly to thee

[Ode to a Nightangale]

۴۔ غامدی صاحب

Of solitude of the beauteous eve's choir;

۴۔ WordsWorth:

It is a beauteous evening calm and free

۵۔ غامدی صاحب

Shall I compose an elegy on thy death,

۵۔ Shakespeare:

Shall I compare thee to a summer's day

۶۔ غامدی صاحب

The eve! Gnats mourn in a deep-delved hole:

۶۔ Keats:

Then in a wailful choir the small gnats mourn

[Ode to Autumn]

۷۔ غامدی صاحب

Hark! Lips of beauty never canst thou kiss,

۷۔ Keats:

Bold lover, never, never, never canst thou kiss

[Ode on a Grecian Vrn]

۸۔ غامدی صاحب

Ay, palsied like the vales of Arcady-

۸۔ Keats:

Of deities or mortals, or of both, In Tempe' or the dales of Arcady:

[ایضاً]

غامدی صاحب کی شخصیت کو اگر جدید انگریزی اصطلاح میں بیان کیا جائے تو وہ Triggerhappy نظر آتے ہیں جو عجلت کے ساتھ ہمہ وقت ہر ایک پر وار کرنے کے لیے تیار رہتا ہے مقصد صرف معرکہ آرائی ہوتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ، ہر وقت گرمیٔ محفل کا کچھ سامان موجود رہے۔

غامدی صاحب کی بے تکی، مضحکہ خیز شاعری Percy Wyndham Lewis کی مرتبہ کتاب The Stuffed owl میں بھی شامل کرنا ممکن نہیں جس میں بُرے بُرے انگریزی اشعار کا نہایت برا مگر نادر انتخاب کیا گیا تھا کیونکہ غامدی صاحب کی انگریزی شاعری بہت بری ہے اسے شاعری تو کہا نہیں جا سکتا اور سرقہ کہنا بھی سرقے کی توہین ہے کہ انھیں سرقے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ سرقہ بھی بڑے نامی گرامی شعراء کا کیا ہے اس طرح کے سرقے کے لیے بڑے حوصلے ہمت اور جی داری کی ضرورت ہے۔ غامدی صاحب کی جی داری کا عالم یہ ہے کہ انھوں نے امت کے صحابہ، ائمہ، فقہا، علماء کا خیال نہیں کیا تو انگریزی شعراء کی کیا حیثیت۔

غامدی صاحب کا علمی کام ان کی لغو، بے ہودہ انگریزی شاعری ان کی بے ربط، بے سروپاء، رکیک، بھونڈی، مہمل عربی انشاء پردازی، ان کے نادر افکار و خیالات ان کے چونکانے والے ارشادات امریکہ میں ۱۹۵۰ء میں تخلیق پانے والے نئے محاورے Strictly for the birds کے عین مطابق ہیں جس سے بندہ درہم و دینار ہی نہیں نفس پرست پرندے اور چرندے بھی بہت کچھ حاصل

کر سکتے ہیں۔۱۹۷۰ء سے وہ مسلسل کینچلی بدل رہے ہیں۔ ہر سال دو سال بعد ان کا چولا بدل جاتا ہے۔ پیرہن تبدیل ہو جاتا ہے، ملبوس اتر جاتا ہے اور نئے رنگ بکھرنے لگتے ہیں ان کے علم کا انجام کیا ہوگا اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے ۹ رفروری ۱۸۹۳ کو پیرس کے Moulin Rouge میں نوجوانوں کے اس طرز عمل کو یاد کیا جائے جس کے تتمّہ کے طور پر Striptease کی اصطلاح ایجاد ہوئی جس نے فرانس کی اخلاقی، مذہبی وثقافتی زندگی کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ غامدی صاحب کا اصل چہرہ کب واضح ہو سکے گا اس کے لئے بہت انتظار کرنا ہوگا معلوم نہیں ہماری زندگی میں غامدی صاحب کو Moulin Rouge میسر آ سکے گا یا نہیں جہاں ان کی حقیقت کھول دی جائے گی یا وہ خود حقیقت کھول دیں گے اور حشر سے پہلے زمین پر ان کے لئے حشر برپا ہو جائے گا ابھی تو وہ پیاز کی مانند اپنے چھلکوں کی پرتیں رفتہ رفتہ اتار رہے ہیں۔ان کی اصل شخصیت، تک رسائی کے لئے الف لیلہ کا انتظار کرنا ہوگا۔

غامدی صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان کے مکتب فکر نے ہم جنس پرستی کو ایک فطری، جبلی عمل قرار دے کر انگریزی محاورے swing both way کی اسلام کاری کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

غامدی صاحب کا واحد وصف انگریزی روزمرہ میں Verbal Diarrohea ہے اپنے آگے کسی کو بولنے نہ دینا بے معنی گفتگو کرتے رہنا جن موضوعات کی ابجد سے ناواقف ہیں مثلاً معیشت، بینکاری، مغرب، سائنس وٹیکنالوجی ان پر بڑے طمطراق سے گفتگو کرنا۔مغرب نے عالم اسلام کے لئے المورد کی شکل میں Domsday Machine مہیا کر دی ہے جو تابکاری پھیلاتی رہے گی اس چرب زبانی کے ذریعے وہ عالم اسلام میں مغرب کی طرح Maure Decade برپا کرنے کی مسلسل جدوجہد میں مصروف ہیں۔

یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ ٹی وی اور میڈیا کی شہرت انگریزی محاورے میں صرف پندرہ منٹ کی شہرت ہوتی ہے۔Famous for 15 minites ایک زمانے میں جب ایک ہی ٹی وی تھا شاہ بلیغ الدین کی تقریر روشنی، ڈاکٹر اسرار کا درس قرآن الھدّی، امجد اسلام امجد کا ڈرامہ وارث، نسیم حجازی کا ناول آخری چٹان، شوکت صدیقی کا خدا کی بستی، طنزیہ مزاحیہ سلسلہ الف نون کمال رضوی اور ننھا پاکستان کے واحد ٹیلی ویژن کے ذریعے نشر ہوتے تھے ہر گلی ہر محلے میں ایک ہی آواز گونجتی تھی اور اس گونج کے دوران گلیاں محلے سنسان اور ویران رہتے تھے اگلے دن ہر دفتر، ہر چوپال، ہر مجلس اور ہر فرد کی زبان پر ایک ہی شخص، ایک ہی بات، ایک ہی تقریر، ایک ہی ڈرامہ اور ایک ہی مکالمہ ہوتا تھا لیکن آج اس عہد کے زندہ لوگوں سے ان معزز و محترم لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے جواب قصہ پارینہ بن گئے ہیں تو کسی کو یاد بھی نہیں ہے کہ ہاں واقعی تب انہی لوگوں کا راج گلی محلے سے بازار تک تمام خلق پر تھا۔شاہ بلیغ الدین ہر سال کنیڈا سے کراچی تشریف لاتے ہیں لیکن انہیں کوئی نہیں پہچانتا ایک شخص جو کل تک اس معاشرے میں اتنا مقبول تھا اچانک اس معاشرے کے لئے اتنا اجنبی ہو گیا یہی پندرہ منٹ کی شہرت ہے۔ پندرہ منٹ کی یہ شہرت ٹی وی کے ذریعے کسی کو بھی مل سکتی ہے لیکن یہ شہرت کوئی بنیاد نہیں رکھتی۔

وہ دن دور نہیں ہے جب غامدی صاحب اور ان کا مکتبہ فکر برطانوی اصطلاح Misper کی مانند دھندلکوں میں گم ہو جائیں گے ان کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج کرانے والا بھی کوئی نہ ہوگا تاریخ میں عبداللہ چکڑالوی کا نام ابھی زندہ ہے لیکن ان کے مکتبہ فکر کی کوئی مسجد موجود نہیں ایک مسجد انہوں نے زندگی میں بنائی تھی لیکن موت کے فرشتے نے بساط زندگی لپیٹ دی تو یہ مسجد راسخ العقیدہ مسلمانوں کے گروہ کے زیر انتظام آ گئی جدیدیت پسند مسجد سے کوئی تعلق نہیں رکھتے یہ اسلامی تاریخ کے فطری اداروں مسجد، مدرسے سے بہت فاصلے پر رہتے ہیں کیونکہ مسجد بنانا، اسے آباد رکھنا، اس کے انتظامات کرنا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فجر میں اذان دینا اور نماز فجر کا اہتمام کرنا جدیدیت پسندوں کے لئے ممکن ہی نہیں ہے جسٹس جاوید اقبال، ڈاکٹر رشید جالندھری، ڈاکٹر منظور احمد، جدید اسلام پر تقریر

کر سکتے ہیں لیکن یہ جدید مولوی نہ علی الصباح اٹھ سکتے ہیں نہ فجر کی اذان دے سکتے نہ جماعت کی امامت کر سکتے نہ نظم جماعت قائم کر سکتے ہیں لیکن ٹی وی پر دانشوری بگھار کر امامت کی امامت سنبھالنے کے درپے ہیں جو امامت صغریٰؒ کے اہل نہیں وہ امامت کبریٰؒ کے لئے بھی نا اہل ہیں۔ انیسویں صدی کے......جدیدیت پسند مولوی چراغ علی کا حال سب کو معلوم ہے جو کئی زبانیں جانتے تھے اور غامدی صاحب کے مقابلے میں بہت بڑے آدمی تھے لیکن نہ ان کی اولاد کا پتہ ہے نہ یہ پتہ ہے کہ ان کا آخری نشان کس سرزمین میں محفوظ ہے ان کا خاندان اولاد سب کچھ معمہ بن کر رہ گیا ہے غامدی صاحب بہر حال چراغ علی سے بڑے جدیدیت پسند نہیں ہیں۔

دیکھیے وہ دن کب آئے گا جب غامدی صاحب ان اعتراضات کا جواب دیں ہمارے خیال میں امریکی جملے That'll betheday کے مطابق وہ دن کبھی نہیں۔ کبھی نہیں آئے گا۔

یہ بات ہم اس لیے لکھ رہے ہیں کہ غامدی صاحب نے ساحل کے اپریل والے خط کے جواب میں لکھا ہے کہ ’’آپ اپنا کام کریں میں اپنا کام کر رہا ہوں فیصلہ تاریخ کرے گی‘‘ جب دلیل، بحث، مباحثہ، مکالمے میں غامدی صاحب کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تو فوراً معاملہ تاریخ کے سپرد کر دیا گیا۔ حالانکہ ہم نے صرف یہ پوچھا تھا کہ غامدی لفظ کا درست مطلب کیا ہے اور آج کل آپ کس موقف پر قائم ہیں دوسرے خط میں ان سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ پانچ مئی تک ساحل اپریل کا جواب دینا چاہیں تو ساحل حاضر ہے اس کا کوئی جواب ابھی تک نہیں ملا اور شاید اب کبھی نہ مل سکے۔

جاوید غامدی: سرقہ بازوں کی فہرست میں ایک اہم اضافہ

مشرق ومغرب میں جب بھی سرقہ بازی کی تاریخ لکھی جائے گی اس میں علامہ نیاز فتح پوری، حافظ اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، ڈاکٹر احمد امین مصری، امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی جیسے منکرین حدیث کے سرقے سب سے نمایاں طور پر نظر آئیں گے یہ عجیب اتفاق ہے کہ تمام منکرین حدیث سرقہ بازی میں کمال رکھتے ہیں اور سرقہ بازی کی صفت تمام جدیدیت پسند گروہوں کا مشترکہ وصف ہے سرقہ بازوں کی اس فہرست میں جاوید غامدی کے شعری، ادبی، فکری، علمی سرقے فن سرقہ میں ان کی جامعیت اور کمالِ فن ظاہر کرتے ہیں اس معاملے میں دبستان شبلی کے بزعم خود وارث اور مسند نشین جدید وقدیم علوم کے جامع جناب جاوید غامدی صاحب کا تمام علم وفضل مشرق ومغرب کے مختلف مفکرین اور محققین کے افکار وخیالات کے سرقوں سے کشید کردہ ہے۔

[۱] زکوٰۃ پر ان کا موقف ادارہ تحقیقات اسلامی کے سابق صدر ڈاکٹر فضل الرحمان کا چربہ ہے۔[۲] قانون میراث پر ان کا موقف مولانا ابوالجلالؒ ندوی کے مضمون میراث اور احمد دین امرتسری کی اردو کتاب الوراثت فی القرآن اور اس کتاب کے عربی سرقے الوراثت فی الاسلام مصنفہ علامہ اسلم جیراج پوری کا کامل سرقہ ہے۔[۳] زکوۃ اور میراث پر غامدی صاحب کے سرقوں کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے مولانا ابوالجلال ندوی کی کتاب ربوٰ، زکوٰۃ اور ٹیکس ملاحظہ کیجیے جو سوید امطبوعات نے ۲۰۰۶ء میں شائع کی ہے یہ کتاب کتاب سرائے لاہور اور فضلی سنز کراچی پر دستیاب ہے اس کتاب کے مضامین زکوٰۃ کیا ٹیکس کیا؟ آئین میراث میراث کلالہ وغیرہ غامدی صاحب کے سرقوں کی کہانی سنادیں گے ابوالجلال ندوی کے میراث پر مضامین غامدی صاحب کی پیدائش سے صرف ایک سال پہلے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئے تھے۔[۴] قرآن سے مختلف فقہی مسائل کا استنباط اصلاً عمر احمد عثمانی اور علامہ طاہر مکی کی کتاب فقہ القرآن کے دلائل، آثار اور امثال کی خوبصورت نقل ہے جس پر اکثر اصل کا گمان ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات یہ چربہ اصل سے بڑھ کر لگتا ہے۔[۵] رجم پر غامدی صاحب کی تمام تحقیق اور تکبر، تملق وتفرد اور اصرار اصلاً فقہ القرآن کی ایک جلد حقیقت رجم کا سرقہ ہے۔[۶] غامدی صاحب کے بیشتر فقہی استنباط فقہ القرآن سے ماخوذ ہیں اسی لیے غامدی صاحب کے اشراق میں آج تک فقہ القرآن پر کبھی تبصرہ شائع نہیں کیا گیا تا کہ قارئین کہیں اصل ماخذ مرجع تک رسائی حاصل کر کے ان کی علمیت کے مراجع ومصادر سے واقف نہ ہو جائیں۔[۷] فقہ القرآن کے مولف عمر احمد عثمانی اور اس کے اصل محرک ومرتب مفتی علامہ طاہر مکی [سابق مشیر مذہبی امور خالد اسحاق] کی روایت کے مطابق جو مرحوم ہفت روزہ وجود کے مدیر محمد طاہر کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے، فقہ القرآن کی تمام جلدیں تین مرتبہ اشراق کو بھیجی گئیں لیکن کبھی تبصرہ نہیں کیا گیا آخری مرتبہ ۱۹۹۸ء میں ہفت روزہ تکبیر کے صحافی اور وجود کے مدیر محمد طاہر نے فقہ القرآن کی تمام جلدیں دانش سراء میں معز امجد کے سپرد

کیں انھوں نے وعدہ کیا لیکن دس سال گزر گئے تبصرہ نہیں کیا گیا۔[۸] رجم کا سورہ مائدہ سے اثبات واستدلال حمید الدین فراہی کے موقف کا اعادہ ہے، [۹] میزان کے کئی صفحات امین احسن اصلاحی کا لفظ بہ لفظ سرقہ ہیں۔[۱۰] البیان کے نام سے غامدی صاحب کا ترجمہ قرآن حمید الدین فراہی اور ابوالجلال ندوی کے تراجم سے ماخوذ ہے۔[۱۱] امت عیسوی وموسوی کے بارے میں غامدی صاحب کا نقطۂ نظر کہ یہود ونصاریٰ جنتی ہیں جو بھی توحید کا اقرار کرتا ہے اور نیک عمل وہ جنتی ہے رسالت محمدی پر ایمان لانا ضروری نہیں وحدت ادیان قرآن سے ثابت ہے جن یہودیوں نصرانیوں سے قرآن نے ترک موالات کا حکم دیا وہ خاص جزیرۃ العرب کے تھے آج کے نہیں غامدی صاحب کا تازہ ترین نقطۂ نظر وحدت ادیان کے عالمی مکتبہ فکر روایت کے بانی رینے گینوں کا تتبع اور مارٹن لنگز کے مضمون WITH ALL THY MIND کا ہو بہو سرقہ ہے۔[۱۲] سنت دین ابراہیمی کی روایت کا ملحدانہ استدلال جواد علی کی کتاب ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' کی معلومات سے سرقہ کیا گیا ہے اور اس کے حوالوں کی بنیاد پر غامدی صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دین تو تمام تر ماضی میں حضرت آدم کے ساتھ تواتر وتسلسل سے چلا آرہا ہے لہٰذا سنت تو ابتدائے آدم یعنی ابتدائے آفرینش سے موجود ہے لہٰذا سنت مقدم ہے قرآن موخر ہے لہٰذا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں، [۱۳] بنوامیہ اور بنوعباس کی تاریخ واقعہ کربلا اور شہادت حضرت حسینؓ نواسہ رسالت مآبؐ کے واقعات پر مبنی تاریخ سے انکار کا نقطۂ نظر خود غامدی صاحب کا تحقیقی نقطۂ نظر نہیں ہے ہفت روزہ زندگی کو انٹرویو میں انھوں نے تاریخ اسلام اور شہادت حسینؓ کے سلسلے میں جو منفرد اور نیا نقطۂ نظر اختیار کیا ہے کہ واقعہ کربلا سے متعلق موجود تمام تاریخی شہادتیں غلط ہیں اور واقعہ کربلا افسانہ ہے۔ حضرت حسینؓ کو خلافت بنوامیہ نے نہیں بلکہ انہی کے ساتھ آنے والے قافلے نے شہید کیا۔ یہ نقطۂ نظر تاریخی دلائل کے ساتھ حکیم محمود احمد عباسی، حکیم علی احمد عباسی، مولانا حبیب الرحمان کاندھلوی اور مفتی طاہر مکی صاحب بیان کر چکے ہیں اور پاکستان سنی کونسل کے زیر اہتمام کراچی کے خالق دینا ہال میں دس سال تک ہونے والے محاضرات میں یہ موقف علامہ مفتی طاہر مکی کی علمی سرپرستی میں بار بار بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہ موقف بھی علامہ طاہر مکی اور سنی کونسل کے محاضرات کا سرقہ ہے۔[۱۴] حضرت عائشہؓ کی عمر کے سلسلے میں غامدی صاحب کا موقف حکیم نیاز احمد کی کتاب کا حرف بہ حرف چربہ ہے۔[۱۵] غامدی صاحب کی انگریزی شاعری جو چار نظموں اور چونسٹھ مصرعوں پر مشتمل ہے شیکسپیئر اور کیٹس کے مصرعوں کا چربہ ہے۔[۱۶] شرح شواہد الفراہی میں فراہی صاحب کا سرقہ کیا گیا ہے۔ اپریل کے شمارے میں تفصیل موجود ہے۔ [۱۷] غامدی صاحب کی کتاب اصول ومبادی میں منحل اور مصنوع کلام جاہلیت کی بحث ظہیر اصلاحی غازی کے مضمون ''مولانا فراہی کی تفسیر کے اصول'' کے تین صفحات کا حرف بہ حرف لیکن غلط سرقہ ہے۔ غامدی صاحب عجلت میں درست حوالے نقل کرنا بھول گئے۔

اشراق میں شائع ہونے والے درج ذیل مضامین کے اکثر صفحات، الفاظ اور دلائل یا تو ڈاکٹر فاروق کی اسلام کیا ہے کا سرقہ ہیں یا یہ مضامین غامدی صاحب کے شاگردوں نے ایک دوسرے کے مضامین سے وقتاً فوقتاً سرقہ کیے ہیں۔

اصول دین	نادر عقیل انصاری	مارچ ۹۴	۲۶
حدیث وسنت میں فرق	ساجد حمید	مئی	۱۲
عورت کی گواہی	معز امجد	دسمبر	۱۸

اب یہ معلوم نہیں کہ غامدی صاحب نے ڈاکٹر فاروق خان کا سرقہ کیا ہے یا ڈاکٹر فاروق خان، ساجد حمید، معز امجد اور نادر عقیل نے غامدی صاحب کا سرقہ کیا ہے۔ شاگردوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن الاستاذ غامدی تو بلا شبہ مسلمہ سارق ہیں ہم اب تک نیاز فتح پوری کو برعظیم پاک وہند کا سب سے بڑا سرقے باز سمجھتے تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ ان کا چراغ غامدی صاحب کے سامنے

نہ جل سکے گا۔

۱۹۹۴ مارچ کے اشراق میں ماخذات دین کی بحث ''اصول دین'' کے نام سے نادر عقیل انصاری کے قلم سے ص ۲۶ تا ۳۶ پر محیط ہے۔ نادر عقیل حکومت پنجاب کے اہم محکمے کے ڈپٹی سکریٹری ہیں ایام طالب علمی کا یہ مضمون غامدی صاحب یا ڈاکٹر فاروق خان کا سرقہ و چربہ ہے۔ اس بحث کے تمام الفاظ دلائل آیات احادیث حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ غامدی صاحب کے موقف کا سرقہ چربہ بازگشت اعادہ تکرار نقل عکس ہیں ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن دین اسلام کا پہلا ماخذ ہے قرآن کے علاوہ نبیؐ سے یہ دین ہمیں دو صورتوں میں ملا ہے [۱] سنت ثابتہ، [۲] حدیث۔ ثبوت کے اعتبار سے سنت میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں جس طرح وہ قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح یہ عملی تواتر ثابت ہے چنانچہ اس کے بارے میں اب کسی بحث اور نزاع کی گنجائش نہیں ہے احادیث کے متعلق صحیح طرز عمل یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سنت ثابتہ اور عقل و فطرت کی اساس پر قائم ہوں اور کسی پہلو سے ان کے منافی نہ ہوں۔ اس صورت میں ان احادیث کی حجیت بھی مسلم ہے اور ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔''

ساجد حمید نے مئی ۱۹۹۴ء میں ص ۱۲ پر حدیث و سنت میں فرق کے زیر عنوان غامدی صاحب اور نادر عقیل انصاری کے موقف کا حرف بہ حرف چربہ فرمایا ہے لکھتے ہیں ''سنت ہم تک عملی تواتر کے ذریعے سے ایسے ہی پہنچی ہے جس طرح قرآن ہمیں قولی تواتر سے ملا ہے اس وجہ سے ان دونوں کے بارے میں بحث و نزاع کی کوئی گنجائش نہیں ہے حدیث و سنت کے اسی فرق کی وجہ سے اس امت کے اکابر نے ہمیشہ حدیث کو سنت متواترہ کے بعد تیسرا بڑا ماخذ مانا ہے اور اسے ہمیشہ سنت متواترہ سے الگ رکھا ہے۔

اسلام کے تصور نجات سے انحراف کر کے وحدت ادیان، صرف توحید پر ایمان کافی قرار دینے کا فلسفہ اور اس سے ملتے جلتے نظریات یا ارتقاء کے سلسلے میں جاوید غامدی صاحب کے تازہ ترین انحرافات، افادات، ارشادات ماثرات دراصل مارٹن لنگز کی ایک انگریزی تحریر With All Thy Mind سے حرف بہ حرف سرقہ ہیں اس کتاب کی تردید میں اشراق ۱۹۹۴ء اپریل، مئی، جون میں تین قسطوں میں ڈاکٹر محمد امین نے مضمون لکھا تھا کیوں کہ غامدی صاحب اس وقت مکتبہ روایت کو گمراہ مکتب سمجھتے تھے اور اس کے کفر کا انکار ضروری قرار دیتے تھے لہٰذا ڈاکٹر امین کا مضمون ''اسلام کا تصور نجات'' غامدی صاحب کی تائید و تصویب سے شائع ہوا تھا لیکن اب غامدی صاحب نے سہیل عمر صاحب کے زیر اثر مکتب روایت کی گمراہی وحدت ادیان کو قبول کر لیا ہے۔ مارٹن لنگز نے اس تحریر میں جوڑ توڑ کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش تھی کہ سورہ توبہ کی آیت ۳۳ دین الحق...... علی الدین...... المشر کون کی تفاسیر غلط ہیں۔ اس آیت میں مشرکین سے مراد اہل کتاب نہیں بلکہ بت پرست ہیں دین سے مراد صرف اس خطے ادیان کے تمام دین ہیں سارے صحیح ادیان اسلام ہی ہیں عیسائیت اور بدھ مت کی طرح اسلام بھی ایک عالمی دین ہے نیکی بہر حال نیکی ہے خواہ کوئی کرے لہٰذا نجات اخروی کو صرف کسی ایک مذہب کے ماننے والوں تک محدود کرنا غلط ہے کسی خاص نبوت پر ایمان لانا ضروری نہیں جو کوئی بھی اللہ، یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے نجات پائے گا عیسائی یہودی بھی جنت میں جا سکتے ہیں الحمد اللہ غامدی صاحب ان سرقہ شدہ خیالات کو آج کل اپنے نام سے پیش کر رہے ہیں۔

تزکیہ نفس روحانی وجود اخلاقی وجود وغیرہ کے موضوع پر غامدی صاحب کی تین مشہور تقاریر امین احسن اصلاحی کی کتاب تزکیہ نفس کا چربہ ہیں۔ یہ تقاریر طالب محسن نے ۱۹۹۴ء کے اشراق میں شائع کی تھیں۔

دسمبر ۱۹۹۴ء میں معز امجد کا مضمون عورت کی گواہی غامدی صاحب کے سلسلہ محاضرات حدود و تعزیرات کا لفظ بہ لفظ

سرقہ ہے یا بصورت دیگر غامدی صاحب کے افکار معزامجد کے خیالات کا ہو بہو چربہ ہیں۔

۱۹۹۴ دسمبر کے اشراق میں ص ۳۴ پر معزامجد کا سنت کے بارے میں موقف غامدی صاحب یا ڈاکٹر محمد فاروق کا سرقہ ہے۔الفاظ ملاحظہ کیجیے ''سنت دین کا مستقل ماخذ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی شارح بھی ہے سنت کو یہ حیثیت کسی عالم فقیہہ یا مجتہد نے نہیں دی بلکہ اس عالم کے پروردگار ہی نے دی ہے چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے النحل ۱۶:۴۴ اور ہم نے تم پر [محمدؐ] بھی یہ ذکر اتارا ہے تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو واضح کردو جوان کی طرف نازل کی گئی ہے چنانچہ جو شخص جب تک صاف صاف قرآن کا انکار نہ کردے اس کے لیے سنت کی اس حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔لفظ تبیین کے کیا معنی ہیں تبیین کا لفظ کسی معاملے کی حقیقت کو کھول دینے کسی کلام کے مدعا کو واضح کردینے کسی چیز کے خفاء کو دور کر کے اسے منصۂ شہود پر لانے کے معنی میں بولا جاتا ہے گویا تبیین کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جسے باہر سے لا کر کسی بات کسی معاملے یا کسی کلام کے سپرد کردیا جائے وہ کسی بات کی وہ کنہ ہے جو ابتداء ہی سے اس میں موجود ہوتی ہے۔اور آپ اسے کھول دیتے ہیں وہ کسی کلام کا وہ مدعا ہے جو اس کلام کی ابتداء ہی کے وقت سے اس کے ساتھ ہوتا ہے اور آپ اسے واضح کردیتے ہیں وہ کسی چیز کا وہ لازم ہے جو شروع ہی سے اس کے وجود کی حقیقت میں پوشیدہ ہوتا ہے۔اسے آپ منصۂ شہود پر لے آتے ہیں چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تبیین کسی کلام کے متکلم کے اس مدعا کا اظہار ہے جسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے وہ اس کلام کو ابتداء وجود میں لایا تھا اس کے بعد امام بزدوی اور امام شاطبی کے دو حوالے دے کر معزامجد نے اس بحث کو سمیٹ دیا ہے۔''

یہ تمام دلائل لفظ بہ لفظ برہان میں جاوید غامدی کے نام سے موجود ہیں اور کم و بیش یہی الفاظ ڈاکٹر فاروق کی ''اسلام کیا ہے'' میں موجود ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا مکتب فکر ہی سرقے کی روایت پر کھڑا ہے۔اصلاحی صاحب نے بلنچلی اور حمیدالدین فراہی کے افکار کا سرقہ کیا۔ غامدی صاحب نے فراہی، امین احسن اصلاحی، مولانا مودودیؒ، ابوالجلال ندوی، ڈاکٹر فضل الرحمان، احمد دین امرتسری، اسلم جیراج پوری، علامہ مفتی محمد طاہر مکی، عمر احمد عثمانی، حبیب الرحمان کاندھلوی، حکیم محمد نیاز، حکیم محمود احمد عباسی [خلافت معاویہ و یزید]، حکیم احمد علی عباسی، مارٹن لنگز اور نسیم ظہیر اصلاحی کے مضامین کا سرقہ کیا ہے۔ظہیر اصلاحی کا مضمون ''تحقیقات اسلامی'' علی گڑھ میں شائع ہوا، وہاں سے اشراق میں مئی ۱۹۹۱ء میں ''مولانا فراہی کا طریقہ تفسیر'' کے نام سے شائع ہوا۔اسی سال ۱۹۹۱ء کے اگست کے اشراق میں غامدی صاحب کے مضمون اصول و مبادی میں ظہیر اصلاحی کے حوالوں کا غلط سلط سرقہ غامدی صاحب نے کرلیا۔ یہ سرقہ غامدی صاحب کی کتاب ''اصول و مبادی'' ۲۰۰۵ء میں بھی من و عن موجود ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ غامدی صاحب نے مستشرقین کی کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا۔

غامدی کا سرقہ

نسیم ظہیر اصلاحی غازی کا مضمون ''مولانا فراہی کا طریقہ تفسیر'' اشراق کے شمارے مئی ۱۹۹۱ء کے صفحہ ۴۵ سے ۵۸ تک محیط ہے اس مضمون سے منحول وغیرہ منحول کلام کے بارے میں حوالے اور اقتباسات جاوید غامدی صاحب نے اپنے اصول و مبادی کے لیے سرقہ کیے اور اشراق کے شمارے اگست ۱۹۹۱ء کے صفحہ ۲۱ تا ۲۸ ''ام القریٰ کی زبان'' کے نام سے اصول و مبادی قسط ۲ کے ص ۲۵:۲۶ پر نسیم ظہیر کا حرف بہ حرف سرقہ فرمایا۔

غامدی صاحب ظہیر اصلاحی کی عبارت کا درست سرقہ بھی نہیں کرسکے۔ مارگولیتھ نے اصول الشعر العربی کے نام سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔البتہ مارگولیتھ کے رد میں چارلیس جیمس لیال کی کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر یحییٰ جبوری نے ''اصول الشعر العربی'' کے نام سے

کیا تھا۔ غامدی صاحب سرقہ کی عجلت میں غلط حوالہ درج کر گئے۔ اگر انھوں نے مستشرقین کی کتابیں براہ راست پڑھی ہوتیں تو وہ اصل کتاب کے حوالے دیتے لیکن غامدی صاحب نے نہ اصل کتابیں پڑھیں نہ ترجمہ شدہ کتابیں حتیٰ کہ سرقے کے وقت ظہیر اصلاحی کے چھوٹے سے نثر پارے بھی درست طریقے سے سرقہ نہ کر سکے۔ مارگولیتھ نے عربی میں اصول الشعر عربی کے نام سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ دونوں مستشرقین کی کتابیں جرمن اور انگریزی زبانوں میں دستیاب ہیں۔

جاوید غامدی صاحب نے امین احسن اصلاحی کی کتاب ''دعوت دین اور اس کا طریقہ کار'' سے کئی صفحات میزان میں سرقہ کر لیے لیکن کہیں حوالہ نہ دیا۔ دونوں عبارتوں کا موازانہ پڑھیے:

مسئلہ انتحال تو مستشرقین کی سازش ہے۔ دراصل اسلام کو رسوا کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی ''مسئلہ انتحال'' ہے۔ مفصل طبی اور اصمعی کوفی نے کلام جاہلی میں غث وسمین میں امتیاز کی کسوٹیاں قائم کیں اور غیر منحول اشعار کے متعدد مجموعے مرتب کر دیے اور مصنوع و منحول کلام کو غیر مصنوع و منحول کلام سے الگ کر لیا۔ [اشراق، ص ۵۴۔۵۵، مئی ۱۹۹۱ء] مستشرقین اور موجودہ دور کے طہٰ حسین جیسے متجددین کی فتنہ سامانیوں نے کلام جاہلی کو بہت سے مسلمان علماء کی نظروں میں مشکوک بنا دیا ہے۔ حالانکہ خود بعض مستشرقین اور محققین علماء نے ان کی جملہ فتنہ سامانیوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے ناصر الدین الاسد کی ''مصادر الشعر الجاہلی'' ڈاکٹر شوقی ضیف کی العصر الجاہلی، ڈاکٹر یحییٰ جبوری کی ''الشعر الجاہلی'' اور انہی کے قلم سے مستشرق عالم چارلس جیمس لیال کے مضمون کا عربی ترجمہ ''اصول الشعر العربی] جو انتحال سے متعلق مارگولیتھ کے مضامین کے رد میں ہے کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ [اشراق، ص ۵۵۔۶۵، مئی ۱۹۹۱ء]

غامدی صاحب نے ڈاکٹر یحییٰ کے قلم سے لیال کے نقد کے عربی ترجمے ''اصول الشعر العربی کو ایس مارگولیت کا مضمون قرار دیا بے چارے سرقے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ ساحل

کلام عرب میں اگرچہ کچھ منحول کلام بھی شامل ہے لیکن جس طرح نقد حدیث کے علماء اس کی صحیح اور سقیم روایتوں میں امتیاز کر سکتے ہیں اسی طرح کلام کے نقاد بھی روایت و درایت کے واضح معیارات کی بناء پر اس کے خالص اور منحول کو ایک دوسرے سے الگ کر دے سکتے ہیں۔ [اس عبارت کے حاشیے میں درج ہے کہ ''اس زمانے میں مشہور مستشرق ڈی۔ ایس مارگولیت نے اپنے مضمون: ''اصول الشعر العربی'' سے کلام جاہلیت کے پورے ذخیرے کو ناقابل اعتماد قرار دینے کی جس مہم کا آغاز کیا تھا اور جو ڈاکٹر طہٰ حسین کی ''فی الادب الجاہلی'' میں اپنی انتہا تک پہنچی، اس سے افسوس ہے کہ بعض دوسرے مسلمان علما بھی متاثر ہوئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود مستشرقین ہی میں سے چارلس جیمس لیال اور بروکلمان جیسے اہل علم نے اس نقطۂ نظر کی تردید اس مدلل طریقے سے کر دی ہے کہ اب کم سے کم علم کی دنیا میں اس کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی''۔ اس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے ڈاکٹر شوقی ضیف کی ''العصر الجاہلی''، ناصر الدین الاسد کی ''مصادر الشعر الجاہلی'' اور ڈاکٹر یحییٰ جبوری کی الشعر الجاہلی [۲۰۰۵ء میں اصول و مبادی کی کتابی شکل میں اشاعت کے موقع پر ڈاکٹر شوقی، ناصر اسد اور یحییٰ جبوری کے حوالے غامدی صاحب نے حذف فرما دیے۔]

[جاوید غامدی ص ۱۵۔۱۶، اصول و مبادی ۲۰۰۵، اشراق اگست ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۔۲۶]

امین احسن اصلاحی کی عبارت

دعوتِ حق کے مخالفین

ہر دعوتِ حق کو عموماً تین طرح کے مخالفین سے سابقہ پڑتا ہے: ا۔معاندین ۲۔متربصین ۳۔مغفلین

معاندین:[۱] معاندین سے مراد وہ گروہ ہے جو دعوت کے اثر کا اندازہ کرتے ہی اس کی مخالفت کے لئے خم ٹھونک کر، میدان میں اتر آتا ہے۔ ان کی مخالفت کی تہ میں یوں تو مختلف قسم کے محرکات کام کرتے ہیں، لیکن تین محرک اصلی اور بنیادی ہیں۔ ایک حمیّتِ جاہلیت، دوسرا استکبار اور حسد، اور تیسرا مفاد پرستی۔ یہ تینوں حق کی مخالفت میں پیش قدمی کے اعتبار سے تو بالکل یکساں نوعیت کے ہیں، لیکن اپنی روح کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔

حمیت جاہلیت کی بیماری درحقیقت نظامِ جاہلی کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا نتیجہ ہے۔ اس بیماری میں بالعموم وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو اپنے عہد کے نظامِ جاہلی کے مخلص اور وفادار خادم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جب دیکھتے ہیں کہ کوئی دعوت ایسی اٹھ رہی ہے جو اس نظام کو جس کے وہ علمبردار ہیں توڑ پھوڑ کر اس کی جگہ کوئی نیا نظام برپا کرنا چاہتی ہے تو ان کے اندر ایک ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔ اور وہ پورے جوش کے ساتھ اس مخالفت میں لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی یہ مخالفت بیشتر قومی اخلاص پر مبنی ہوتی ہے جس میں جوش تو ہوتا ہے، لیکن یہ جوش شرافت سے عاری نہیں ہوتا۔ اس طرح کی مخالفت میں اس کا امکان موجود رہتا ہے کہ غلط فہمیاں رفع ہونے کے بعد یہ عداوت محبت سے بدل جائے اور اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ محبت بھی ویسی ہی پرجوش اور طاقت ور ہوتی ہے جیسی پرجوش اور طاقتور عداوت ہوتی ہے۔ اسلامی دعوت کی تاریخ میں اس کی بہترین مثال ابوجہل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہے۔ جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما بعض جاہلیت کے غلاف سے نکلنے میں بڑی دیر لگاتے ہیں، جیسے ابوسفیانؓ لیکن ایک وصف ان سب میں مشترک ہوتا ہے وہ یہ کہ جب یہ جاہلیت کو چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے ہیں تو آتے ہی اسلام کی صفِ اول میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں جس طرح کل تک وہ جاہلیت کی صفِ اول میں تھے: خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام (ان میں سے جو دورِ جاہلیت میں بہترین تھے وہ اسلام کے زمانہ میں بھی بہترین ہیں)۔

غامدی صاحب کی عبارت ''میزان'' میں

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین میں بالعموم تین ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں: مخالفین میں معاندین، متربصین اور مغفلین اور موافقین میں سابقینِ اولین، متبعین بالاحسان اور ضعفا و منافقین۔

''معاندین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو دعوت کے موثر ہوتے ہی بالکل کھلم کھلا اور پوری شدت کے ساتھ اس کے مقابلے میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی اس مخالفت کا محرک حمیتِ جاہلی بھی ہوتی ہے، حسد وتکبر بھی اور مفاد پرستی بھی۔ یہ تینوں محرکات مخالفت کی نوعیت کے لحاظ سے یکساں، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے بالکل الگ الگ ہیں۔

پہلا محرک بالعموم ان لوگوں کو مقابلے پر لاتا ہے جو اپنے زمانے کی جاہلیت کے ساتھ پوری طرح مخلص اور اس کے نظام کے سچے خادم ہوتے ہیں۔ وہ پیغمبر کی دعوت کو اپنے نظام اور اس کے پس منظر میں موجود اپنے آبا کی روایات کے لیے ایک چیلنج سمجھ کر اس کے مقابلے میں آتے ہیں۔ ان کی یہ مخالفت چونکہ قومی حمیت پر مبنی ہوتی ہے، اس وجہ سے اس میں رذالت اور کمینگی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ اگر مخالف رہتے ہیں تو ابوجہل کی طرح قوم پرستی کے پورے ولولے کے ساتھ مخالف رہتے اور اگر ایمان لاتے ہیں تو حضرتِ عمر اور حضرتِ حمزہ کی طرح پورے دل اور پوری جان سے ایمان لاتے ہیں۔

[۲] استکبار اور حسد کی وجہ سے دعوتِ حق کی مخالفت بالعموم وہ لوگ کرتے ہیں جو روایتی دینداری یا موروثی مالداری کی وجہ سے نظامِ جاہلی کے اندر پیشوائی اور سرداری کے مقام پر متمکن ہوتے ہیں۔ یہ لوگ آگے چلتے رہنے کی وجہ سے آگے چلنے کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ حق کے پیچھے چلنے میں بھی انہیں عار محسوس ہوتا ہے اور وہ بجائے اس کے کہ حق کے پیچھے چلیں، کوشش اس بات کی کرتے ہیں کہ حق کو اپنے پیچھے چلائیں۔ موروثی دینداروں کی ذہنیت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کو اپنے باپ دادا کی میراث اور اپنی ذاتی جائیداد خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور عقیدت واحترام کے ماحول میں پلنے بڑھنے کی وجہ سے وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حق ان کی ذات اور ان کے حلقہ سے باہر بھی پایا جا سکتا ہے۔ جب یہ دعوت ان کے حلقہ کے سوا کسی اور حلقہ سے بلند ہوتی ہو۔ یہ لوگ اس غرور میں مبتلا ہوتے ہیں کہ حق ہمارے ساتھ ہے اور ہمیشہ ہمارے ہی ساتھ رہے گا۔ اور اگر بالفرض ہمارے اندر سے غائب بھی ہو جائے تو جب کبھی بھی اس کو دنیا پر ظاہر ہونا چاہیے ہمارے ہی واسطہ سے ظاہر ہونا ہوگا۔ اس غرور کے ساتھ ظاہر کہ کسی ایسے حق کو قبول کرنا ان لوگوں کے لیے تقریباً ناممکن ہے جس کے داعی وہ خود نہ ہوں۔ چنانچہ دعوتِ حق کی پوری تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ جو لوگ اس مرض میں متبلا رہتے ہیں ان کو حق پر ایمان لانے کی بہت کم ہی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ مکہ اور طائف کے وہ سردار جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اگر کوئی نبی بھیجنا ہی ہوتا تو وہ ہمارے اندر سے کسی کو بھیجتا۔ اس طرح کے مخالفین ایک داعیءحق کے لئے اپنے اندر امید سے زیادہ مایوسی کا پہلو رکھتے ہیں۔ ان میں بہت تھوڑے نکلتے ہیں جن کو قبولِ حق کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ یہ اپنے استکبار کیوجہ سے اپنے آپ کو الوہیت کے منصب پر سرفراز کر لیتے ہیں اور اس منصب کو چھوڑنا اس وقت تک گوارا نہیں کرتے جب تک اس کو چھوڑنے پر مجبور نہ کر دیے جائیں۔ قرآن مجید میں استکبار کو قبولِ حق کے سب سے بڑے موانع میں سے شمار کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے جگہ جگہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے پیچھے زیادہ وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے جو دنیوی مال ومتاع کی فراوانی یا مذہبی و دینوی ریاست کی وجہ سے اپنے غرور میں سرمست ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے وقت کے فقیہوں اور فریسیوں

دوسرا محرک عموماً ان لوگوں کو معاندت پر ابھارتا ہے جو وقت کے نظام میں نسلاً بعد نسلِ دینی یا دنیوی ریاست کے مالک چلے آ رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ سرداری اور پیشوائی کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ پھر کسی پیغمبر کو بھی اپنا سردار اور پیشوا ماننا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا اور وہ حق کو بھی لازماً اپنا پیرو بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی لوگ تھے جنھوں نے کہا کہ اگر اللہ کو اپنی ہدایت نازل کرنا تھی تو یہ طائف اور ام القریٰ کے کسی بڑے سردار پر کیوں نازل نہ ہوئی۔ یہود نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اسی محرک کے تحت کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے مذہبی پیشوا، فقیہ اور فریسی اسی بنا پر ایمان کی نعمت سے محروم رہے اور آں جناب کی یہ بات ان پر پوری طرح صادق آئی کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ [۸] اس طرح کے لوگ شروع شروع میں پیغمبر اور اس کی دعوت دونوں کو حقیر سمجھ کر اس سے بالکل صرفِ نظر کیے رہتے ہیں، لیکن جب دیکھتے ہیں کہ اس کا اثر لوگوں میں بڑھ رہا ہے تو حسد کی آگ میں جل اٹھتے اور وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو حاسدین اس دنیا میں اپنے مخالفین کے خلاف کرتے رہے ہیں۔

کے غرور ہی کی بنا پر فرمایا تھا کہ ''مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیوں کہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے''۔ نیز فرمایا تھا کہ ''اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو''۔ بعد کے واقعات نے اس پیشن گوئی کی پوری پوری تصدیق کر دی۔ انجیل اور قرآن مجید دونوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت پر یروشلم کے علماء اور فقہا میں سے ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔

یہاں تک کہ ان سے مایوس ہو کر حضرت کو دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنی پڑی۔ اور انہی کے اندر سے اللہ کے کچھ بندے ان کو ایسے ملے جنہوں نے دعوت حق کے اس کام کو سنبھالا۔ کم و بیش یہی صورتِ حال اس وقت پیش آئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بلند ہوئی۔ اہل کتاب کے پیشوایان دینی میں سے صرف گنتی کے چند نفوس اسلام لائے۔ اس گروہ کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ شروع شروع میں یہ اپنے استکبار کی وجہ سے دعوت کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتا، لیکن جب دعوت بڑھنے اور پھیلنے لگتی ہے اور ان کو اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین کھسکتی نظر آتی ہے تو ان پر حسد کا سخت دورہ پڑتا ہے۔ اس وقت وہ داعی اور دعوت کی مخالفت میں وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو ایک مبتلائے حسد گروہ کر سکتا ہے۔

[۳] مفاد پرستی کی وجہ سے دعوت حق کی مخالفت وہ لوگ کرتے ہیں جن کا اخلاقی تصور حب ذات سے آگے نہیں بڑھتا۔ ان کا سارا اخلاقی و اجتماعی فلسفہ اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے اور پھر برابر اسی محور پر گھومتا رہتا ہے۔ یہ محض انسان کی اس فطری مجبوری کی وجہ سے کہ وہ ایک اجتماعی وجود ہے، جو تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا، کسی اجتماعی نظام کے اندر شامل تو ہوتے ہیں، لیکن اس کے اندر ہر قدم پر صرف استحقاق تلاش کرتے ہیں، کسی جگہ بھی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک حق اور باطل کا معیار ان کی اپنی ذات ہے۔ جس چیز سے ان کی ذات کا بھلا ہو وہ حق ہے اور جس چیز سے ان کے کسی ذاتی مفاد کو ٹھیس لگ رہی ہو وہ باطل ہے۔ جن لوگوں کا اخلاقی اور اجتماعی تصور اتنا پست ہ وہ لازماً ہر اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں جس سے ان کی مفاد پرستی کا گھنونا پن دوسروں کے

تیسرا محرک عام طور پر ان لوگوں کو آمادۂ مخالفت کرتا ہے جو اپنے ذاتی مفادات سے آگے کسی چیز کو دیکھنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتے۔ ہر معاملے میں اپنی ذات کے اسیر، ہر قدم پر استحقاق کے طالب اور ہر شے کے حق و باطل کا فیصلہ اپنی ذات کے حوالے سے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اپنی اس اخلاقی پستی اور دنائت کی وجہ سے وہ بس اپنے مفادات ہی کی طرف لپک سکتے ہیں، پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنا اور اس کے عقبات سے گزرنا ان کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں ابولہب کا وجود اسی کی مثال ہے۔

یا خود ان کے سامنے واضح ہو رہا ہو۔ اس طرح کے لوگ ان تمام جوہری صفات سے بالکل عاری ہوتے ہیں جن سے ایک اعلیٰ سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔

اسلامی دعوت کی تاریخ میں اس کی نہایت حقیقت افروز مثال ابولہب کا وجود ہے جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے سارا اختلاف محض اس وجہ سے تھا کہ آپ کی دعوت سے اس کی سیرت کے تمام بدنما پہلو لوگوں کے سامنے آ رہے تھے اور اپنی خودغرضی اور زر پرستی سے اس نے جو دولت اکٹھی کر رکھی تھی وہ سب معرضِ خطر میں تھی۔ یوں تو وہ قریش کے قائم کردہ نظام جاہلی میں سب سے اونچے عہدہ پر فائز تھا، لیکن اس نظام کے ساتھ اس کی ساری وابستگی محض اس وجہ سے تھی کہ منصب رفادہ اور خانہ کعبہ کی کلید برداری کی وجہ سے اس کو مالی دستبرد کے بہت سے مواقع حاصل تھے۔ اس سے آگے نہ تو اس کو اپنی قوم ہی سے کوئی ہمدردی تھی اور نہ اس نظام کے خیر و شر ہی سے کوئی دلچسپی تھی جس کا وہ سب سے بڑا لیڈر تھا۔ اس کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت میں آگے رہتا اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتا کہ یہ آباء واجداد کے قائم کردہ نظام کو برباد کرنے والی دعوت ہے، لیکن بدر کے موقع پر جو قریش کے نقطۂ نظر سے ایک فیصلہ کن معرکہ تھا اور جس میں ان کے تمام سردار پورے جوش دینی کے ساتھ شریک ہوئے، وراثتِ ابراہیمی کا یہ سب سے بڑا دعوے دار گھر میں بیٹھا رہا اور کرایہ کے ایک آدمی کو اپنی طرف سے میدان میں لڑنے کے لیے بھیج دیا۔ اس طرح کے لوگوں کا ہر دعوت حق کے ساتھ فطری تعلق صرف مخالفت ہی ہوسکتا ہے اور مخالفت ہی کا ہوتا ہے۔

متربّصین: متربصین سے مراد وہ گروہ ہے جو دعوتِ حق کا حق ہونا تو کسی حد تک محسوس کر لیتا ہے، لیکن نہ تو اس کے اندر اتنی اخلاقی قوت ہی ہوتی کہ وہ حق کو مجرّد اس بنا پر کہ وہ حق ہے قبول کر کے اس کے لئے سردھڑ کی بازی لگا سکے اور نہ عقلی اعتبار ہی سے یہ لوگ اتنے بلند ہوتے ہیں کہ نظام حق کے عملاً برپا ہونے سے پہلے کامیابی کے ان امکانات کا اندازہ کر سکیں جو حق کے اندر مضمر ہوتے ہیں۔ اس کمزوری کی وجہ سے یہ گروہ بجائے اس کے کہ کسی حق کے حق ہونے کا فیصلہ اپنی عقل سے کرے، اس معاملہ کو مستقبل کے حوالہ کر کے انتظار کرتا ہے کہ اگر

''متربصین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر پیغمبر کی دعوت کا حق ہونا تو کسی حد تک واضح ہوتا ہے، لیکن وہ حق کو مجرد حق کی بنیاد پر ماننے کے بجائے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ دیکھیں مستقبل اس دعوت کے بارے میں کیا فیصلہ سناتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر کے مقابلے میں یہ زیادہ سرگرمی تو نہیں دکھاتے، لیکن ساتھ ہمیشہ مخالفین ہی کا دیتے ہیں اور شب و روز اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ حق و باطل میں سمجھوتے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، اور ان کو اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ آزمائش اور کشمکش کے زمانے میں

مستقبل نے اس کی کامیابی کا فیصلہ کر دیا تو اس کا ساتھ دیں گے ورنہ زندگی جس نہج پر گزر رہی ہے گزرتی جاتی ہے یہ لوگ اپنی اخلاقی کمزوری اور عقلی ضعف کی وجہ سے ایک ذہنی کشمکش اور تردد و تذبذب کی حالت میں مبتلا ہوتے ہیں اس وجہ سے دعوتِ حق کی مخالفت میں یہ بہت سرگرم تو نہیں ہوتے لیکن وقت کے نظامِ غالب کے اثر سے ساتھ مخالفینِ دعوت ہی کا دیتے ہیں اور حق و باطل کی کشمکش کے ہر مرحلہ میں زیادہ تر ان کی کوشش اس بات کے لیے ہوتی ہے کہ کوئی صورت سمجھوتے کی پیدا ہو جائے کہ حق و باطل دونوں ساتھ ساتھ مل کر چل سکیں۔ یہ لوگ ایک بڑی حد تک منکرین حق کے گروہ میں وہی پوزیشن رکھتے ہیں جو موافقین حق کے گروہ میں منافقین کا ہوا کرتا ہے۔ اور اپنی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے حق کی بڑی سے بڑی کامیابی کے بعد بھی ان کا تربص اور انتظار ختم نہیں ہوتا۔

اپنے عقلی اور اخلاقی ضعف کی وجہ سے اس ذہنیت کے لوگ کبھی کسی دعوتِ حق پر اس دور میں ایمان نہیں لا سکتے جس دور میں وہ کشمکشوں اور آزمائشوں سے گزر رہی ہو، یہ ممکن ہے کہ یہ اس کے حق میں چوری چھپے کوئی کلمہ خیر کہہ دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے دل کے مخفی گوشوں میں اس کی کامیابی کی کوئی خواہش پیدا ہو جائے۔ یہ بھی متوقع ہے کہ وہ ان لوگوں کو کچھ اچھا نہ سمجھیں جو دعوت کی مخالفت میں پیش پیش ہوں، بلکہ ایسا بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے لوگ کبھی کبھی دعوتِ حق کی مالی یا اخلاقی مدد کا حوصلہ کرلیں۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں، لیکن یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ لوگ اس بات کی ہمت کرلیں کہ ٹوٹے ہوئے تختوں کو جمع کریں، ان کو جوڑ کر کشتی بنائیں، اس کشتی کو منجدھار میں ڈال دیں اور بادِ مخالف سے لڑ کر اس کو ساحلِ مراد پر پہنچانے کی کوشش کریں۔ ان کی ذہنی حالت دعوت کے مختلف سازگار اور ناسازگار حالات کے لحاظ سے متغیر ہوتی رہتی ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ معاندین کے سے جوش کے ساتھ اس کی مخالفت اور بیخ کنی پر آمادہ ہو جائیں یا کھلم کھلا اس پر ایمان لا کر اس کی حمایت و نصرت کے لئے سر بکف ہو جائیں۔ یہ اس کی تباہی بھی چاہتے ہیں تو اس طرح نہیں کہ اس کو تباہ کرنے کے لیے خود انہیں کوئی خطرہ مول لینا پڑے، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرا کر خود بخود پاش پاش ہو جائے۔ اسی طرح اگر اس کی کامیابی کی آرزو یہ پیغمبر کے حق میں کوئی کلمۂ خیر بھی کہہ سکتے ہیں، اس کے بارے میں کبھی اپنی پسندیدگی بھی ظاہر کر سکتے ہیں، اپنے دل میں اس کی کامیابی کے متمنی بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی اس کی مالی یا اخلاقی مدد کا حوصلہ بھی کر سکتے ہیں، لیکن اس زمانے میں اسے ماننا اور اس کے لیے جوکھم برداشت کر لینے پر آمادہ ہو جانا، ان کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔

کرتے ہیں تو اس طرح نہیں کہ اس راہ میں انہیں کوئی جوکھم برداشت کرنا پڑے، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اس کے لئے جان و مال کی قربانیاں کر کے اس کو پروان چڑھائیں اور یہ اس کا پھل کھائیں۔

مغّفلین: مغفلین سے مراد عامۃ النّاس کی وہ بھیڑ ہے جن کو اپنی روٹی اور روز مرّہ کی ضروریات کی فراہمی سے کبھی اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ سوسائٹی کے بناؤ اور بگاڑ کے کاموں میں قائدانہ حیثیت سے کوئی حصہ لے سکیں۔ یہ ذہنی اور معاشی، دونوں اعتبار سے اپنے وقت کے نظام کے تابع، بلکہ اس کے قلی ہوتے ہیں اور اس کے تحت جیتے رہنے ہی کو ایک بڑی نعمت اور ان لوگوں کو فضل و احسان سمجھتے ہیں جن کی قیادت میں یہ نظام چل رہا ہوتا ہے۔ یہ لوگ بالعموم ان اخلاقی مفاسد سے پاک ہوتے ہیں جن میں معاندین کا گروہ مبتلا ہوتا ہے، اس وجہ سے کسی دعوت حق کی مخالفت میں سرگرمی کے ساتھ نہ یہ حصہ لیتے اور نہ ان کے حصہ لینے کی کوئی وجہ ہے لیکن یہ اپنے وقت کے دینی و سیاسی پیشواوں کے مقلد اور مرید ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ایک موروثی حسن ظن رکھتے ہیں اس وجہ سے کوئی ایسی بات جو ان کے ائمہ سیاست و مذہب کے مسلک کے خلاف ہو ان کے دل کو اولاً تو لگتی ہی نہیں اور اگر لگتی بھی ہے تو شروع شروع میں وہ اس سے بے گانگی سی محسوس کرتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ پہلے ان کے ائمہ قدم اٹھائیں تو یہ ان کے ساتھ چلیں۔ ان کے ائمہ ان اسباب کی وجہ سے جو اوپر بیان ہوئے، موافقت کے بجائے مخالفت کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے ساتھ اپنے پیروؤں کو بھی لے چلیں۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ یہ گروہ دعوت سے واقف ہونا شروع ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ حق و باطل کی کشمکش جتنی ہی بڑھتی جاتی ہے عامۃ الناس اتنے ہی اس سے قریب ہونا شروع ہوتے ہیں۔ اس کشمکش میں ان کو داعی کے بے لوث کیریکٹر اور اس کی دعوت کی دل پذیری کا بطور خود اندازہ کرنے کا موقع ملتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر کچھ ذہین اور اخلاقی جرات رکھنے والے اشخاص دعوت کے حامی بن جاتے ہیں وقت کے اربابِ کار جب دیکھتے ہیں کہ ان کے پیرو ان کے ہاتھ سے نکل چلے ہیں تو وہ دعوت اور داعی کی مخالفت میں پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آتے ہیں اور عوام کو اپنے ساتھ لگائے رکھنے کے لیے پراپیگنڈے کے سارے حربے استعمال کرنا

''مغفلین'' سے مراد وہ عوام الناس ہیں جو ذہنی اور معاشی لحاظ سے اپنے وقت کے نظام کے تابع اور ہر معاملے میں اپنے زمانے کے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی رہنماؤں کے پیرو ہوتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر کی دعوت کے معاملے میں بھی یہ انہی کے اشاروں پر چلتے اور انھی کی طرف سے کسی اقدام کے منتظر رہتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں ان کا طرزِ عمل عموماً یہی ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد جب ان کے پیشوا پیغمبر کی مخالفت میں خم ٹھونک کر میدان میں اترتے ہیں تو علم و استدلال اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے جو فرق ان کے لیڈروں اور پیغمبروں میں ہوتا ہے وہ بالکل نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ اپنے لیڈروں سے بدگمان ہو کر ان سے ٹوٹتے اور پیغمبر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اندر یہ تبدیلی ان میں سے بعض جرأت مند اور اونچی سیرت کے لوگوں کو اقدام پر آمادہ کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے یہ پیغمبر سے وابستہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

شروع کر دیتے ہیں یہ چیز اگر چہ بہتوں کو دعوت کے خلاف بدگمانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے، لیکن اس دور میں ان لوگوں کو داعی کے اعلیٰ کیریکٹر اور اس کی دعوت کی عقلی قوت کا اپنے لیڈروں کے اخلاق اور ان کی دعوت کی قوت سے موازنہ کرنے کا اچھا موقع ملتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ عوام اپنے سابق لیڈروں سے بدگمان اور نئی دعوت سے متاثر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ اگر چہ دیرینہ تقلید کی بندشیں فوراً دور نہیں ہوتیں، لیکن اس گروہ کے جری اور بلند سیرت اشخاص آگے بڑھ کر حق پرستی کی راہ کھول دیتے ہیں اور یکے بعد دیگر اس طبقہ کا ایک بڑا حصہ حق کے آغوش میں آجاتا ہے۔

سابقین اولین: دعوتِ حق کے موافقین میں سب سے اونچا درجہ سابقین اولین کا ہے۔ سابقین اولین سے مراد وہ گروہ ہے جو کسی دعوتِ حق کے بلند ہوتے ہی اس کو لبیک کہتا ہے اور بے جھجک اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ ان سلیم الفطرت لوگوں کی جماعت ہوتی ہے جو دعوت سے پہلے بھی اپنے اندر وہی کچھ محسوس کرتے ہوتے ہیں جس کی دعوت ایک داعی حق دیتا ہے۔ یہ عقلی اعتبار سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ صرف دنیا کے ظاہر پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ اس کے باطن کے اشارات کو بھی دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور ان کی نگاہ میں حقیقی قدر ان باطنی حقائق ہی کی ہوتی ہے نہ کہ ظواہر کی۔ یہ حیوانوں کی طرح مجرد خواہشوں کے بندے نہیں ہوتے، بلکہ عقل اور فطرت کے تقاضوں کو جانتے ہیں اور زندگی کے تمام مرحلوں میں انھی کو مقدم رکھتے ہیں۔ یہ کسی بات کو حق ماننے کے لیے عقل وفطرت کی تصدیق کافی سمجھتے ہیں، اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کون اس کا مخالف ہے اور کون اس کے موافق ہے۔ یہ نہ ماضی کے مرید ہوتے، نہ حاضر کے بندے، نہ اللہ کے رسولوں کے سوا کسی بڑے سے بڑے مقتدا اور پیشوا کو یہ درجہ دیتے کہ وہ بجائے خود ایک حجت اور سند بن جائے۔

اسی طرح یہ لوگ اخلاقی اور عملی اعتبار سے بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔ ان کی عقل جس چیز کا حق ہونا ان پر واضح کر دیتی ہے ان کی اخلاقی جرأت ان کو آمادہ کرتی ہے کہ اس حق کو قبول کریں اور اس کے لیے ہر خطرہ کو گوارا کریں۔ حق کی حمایت کے لیے یہ لوگ نہایت ذکی الحس ہوتے ہیں۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ حق کو مظلومیت کی حالت میں دیکھیں اور اس کے لیے ان کا دل دردمند نہ ہو۔ یہ اپنے زمانہ کے ہر

''سابقینِ اولین'' کی اصطلاح قرآنِ مجید میں ان لوگوں کے لیے استعمال ہوئی ہے کہ جو کسی دعوتِ حق کو سنتے ہی اس کی طرف لپکتے ہیں اور ہر نتیجے سے بے پروا ہو کر اپنا سب کچھ اس کے لیے قربان کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی فطرت صالح، عقل بیدار، دل زندہ، آنکھیں بینا، کان شنوا اور دماغ ہر صحیح بات کو سمجھنے اور قبول کر لینے کے لیے پوری طرح تیار ہوتا ہے۔ یہ چیزوں کو عقل وفطرت کی روشنی میں دیکھتے اور جب ان کی صحت پر مطمئن ہو جاتے ہیں تو ہر طرح کے جذبات وتعصّبات سے بلند اور تمام خطرات سے بے خوف ہو کر برملا ان کا اعتراف واقرار کر لیتے ہیں۔ یہ سیرت وکردار کے لحاظ سے اپنی قوم میں گلِ سرسبد اور اپنی سرزمین پر ہمالہ والوند کی طرح نمایاں ہوتے ہیں۔ دعوتِ حق ان کے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہوتی، بلکہ ان کے دل کی آواز، ان کے ضمیر کی صدا اور ان کی روح کا نغمہ ہوتی ہے، اور یہ بس منتظر ہی ہوتے ہیں کہ کوئی اٹھے اور یہ اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنے سارے دل اور ساری جان کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ پیغمبر جب اپنی دعوت کی صدا بلند کرتا ہے تو یہ نہ عذر تراشتے ہیں، نہ اس کا حسب و نسب دیکھتے ہیں، نہ ماضی وحال کا تجزیہ کرتے ہیں، نہ شخصیت کے بخیے ادھیڑتے ہیں، نہ معجزے طلب کرتے ہیں، نہ حجتیں کھڑی کرتے ہیں اور نہ لاطائل بحثیں کرتے ہیں، بلکہ فوراً یہ کہتے ہوئے کہ: میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اس عزم کے ساتھ اس کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اب ہرگز پیچھے نہ ہٹیں گے:

اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے خود لپکتے ہیں جس میں ان کو اجتماعی فلاح میں دیکھیں اور اس کے لیے ان کا دل دردمند نہ ہو۔ یہ اپنے زمانہ کے ہر اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے خود لپکتے ہیں جس میں ان کو اجتماعی فلاح کا کوئی پہلو نظر آئے۔ ان کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ حق کی خدمت کا کوئی کام ہو رہا ہو، دوسرے اس کے لیے زحمتیں اور مصیبتیں جھیل رہے ہوں، جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہے ہوں اور وہ محض ایک خاموش تماشائی کی طرح اس کو دیکھ کر گزر جائیں، یا محض دور سے دو حرف تحسین و آفرین کے کہہ کر اس پر قانع ہو جائیں بلکہ یہ اس کو برپا کرنے کے یے خود اٹھتے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لیے خود سبقت کرتے ہیں۔ یہ برے سے برے ماحول کے اندر اچھی اور بااخلاق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنے زمانہ کی جاہلیت سے برابر کش مکش کرتے رہتے ہیں۔ جہاں سب کے ہاتھ ظلم اور ناانصافی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، وہاں یہ عدل و انصاف کے کام کرتے ہیں۔

چونکہ یہ لوگ اس حق کے لیے منتظر اور چشم براہ تھے اس وجہ سے اس کو پا کر انھوں نے بحثیں اور حجتیں نہیں کھڑی کیں، بلکہ اس کو دیکھ کر ان کے دلوں کا وہی حال ہوا جو اپنے کسی گم گشتہ عزیز کو مدتوں کے بعد پا کر کسی شخص کا ہوتا ہے۔ اس طرح کے صاف ذہن رکھنے والے لوگ، جو پہلے سے اعلائے کلمۂ حق کا داعیہ رکھتے ہیں، وہ وقت کی اس دعوت میں اپنے درد کی دوا اور اپنی خلش کی شفا پاتے ہیں اس وجہ سے فوراً اس کو قبول کر لیتے ہیں اور اس کو کامیاب بنانے کی جدوجہد میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ یہ معجزے اور کرشمے نہیں طلب کرتے، نام و نسب اور شجرہ نہیں دریافت کرتے، لاطائل بحثیں اور حجتیں نہیں کھڑی کرتے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ داعی جس بات کے لیے پکار رہا ہے وہ حق ہے یا نہیں اور اسی راہ پر وہ خود بھی گامزن ہے یا نہیں؟ اگر اس پہلو سے ان کا اطمینان ہو گیا تو وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ آئندہ کے موہوم خطرات کی بنا پر آج کی ایک واضح حقیقت کو نہیں جھٹلاتے۔

متبعین باحسان: دعوتِ حق کے قبول کرنے والوں کا دوسرا طبقہ متبعین باحسان کا طبقہ ہے۔ اس سے مراد وہ گروہ ہے جو سابقین اولین کو دیکھ کر حق کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ لوگ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے سابقین اولین کے درجہ کے نہیں ہوتے اس وجہ سے اپنی ذاتی تحریک [Initiative]

ولو قطعوا راسی لدیک واوصالی

''متبعین بالاحسان'' وہ لوگ ہیں جو سابقینِ اولین کے اقدام کے بعد ان کو دیکھ کر حق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے پہلی صف کے لوگ تو نہیں ہوتے، لیکن صفِ دوم میں یقیناً سب سے بہتر ہوتے ہیں۔ سابقینِ اولین کی طرح یہ بطورِ خود اگر آگے نہیں

سے کوئی بڑا اقدم نہیں اٹھا سکتے اور کسی نئی راہ میں چلنے کے لیے پہل کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر قیادت کی صلاحیت نہیں ہوتی اس وجہ سے دعوتِ حق کی عقلی اور استدلالی قوت ان کو اتنا نہیں متاثر کرتی جتنا اس کو قبول کرنے والے پیشروؤں کی ہمت و جرأت ان کو متاثر کرتی ہے۔ یہ جب دیکھتے ہیں کہ کوئی دعوتِ حق اٹھی ہے، اس کو کچھ لوگوں نے ہمت کر کے قبول کرلیا ہے، اس کو وہ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں اور اس کو دنیا میں برپا کرنے کے لیے وہ ہر قسم کے خطرات جھیل رہے ہیں اور آئندہ جھیلنے کو تیار ہیں تو یہ منظر ان کے دلوں کو متاثر کرتا ہے اور وہ بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی ہمت و قوت کو آزمانے لگتے ہیں۔ ان لوگوں کی استعدادیں مختلف درجہ کی اور ان کی رکاوٹیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں اس وجہ سے اس کشمکش میں کچھ عرصہ لگ جاتا ہے۔ لیکن داعیانِ حق کی لگاتار جدوجہد اور پیش آنے والی مشکلات میں ان کا صبر و استقلال دیکھتے دیکھتے بالآخر ان کے دلوں کا زنگ بھی صاف ہوجاتا ہے اور وہ ہمت کر کے یکے بعد دیگرے باطل سے ٹوٹ ٹوٹ کر حق کی صفوں میں آملتے ہیں۔

یہ لوگ اگرچہ دعوتِ حق کا ساتھ سابقین اولین کی دیکھا دیکھی دیتے ہیں لیکن جب ساتھ دیتے ہیں تو پورا ساتھ دیتے ہیں، کسی قسم کی کمزوری، ہچکچاہٹ، بزدلی، تھڑدولے پن اور نفاق کا اظہار نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے صفِ اول کے نہ سہی، لیکن صفِ دوم کے بہترین آدمی ہوتے ہیں۔ یہ اپنی خودی کے ضعف کی وجہ سے اپنے عہد کی جاہلیت سے متاثر اور مرعوب ضرور ہوجاتے ہیں لیکن ان کے اندر حق کا شعور مردہ نہیں ہو چکا ہوتا ہے اس وجہ سے نظامِ باطل کی گاڑی جب تک کھینچتے ہیں انقباض و تکدر کے ساتھ کھینچتے ہیں اور اپنے دل کی گہرائیوں میں حق کی حمیت محسوس کرتے رہتے ہیں۔ نظامِ باطل سے ان کا یہ انقباض کبھی دب جاتا ہے، کبھی ابھرتا آتا ہے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ یک قلم معدوم ہوجائے۔ بلاشبہ اپنے ماحول سے لڑ کر اس کو بدلنے کی ہمت ان کے اندر نہیں ہوتی اس وجہ سے ان کو اپنے عہد کے نظامِ باطل پر قانع رہنا پڑتا ہے، لیکن ان کی اس قناعت کی تہہ میں ایک خلش دبی ہوئی ہوتی ہے جو اس وقت لازماً ابھر آتی ہے جب ان کے سامنے کوئی دعوتِ حق آتی ہے۔ یہ خلش جب بڑھتے بڑھتے اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ ان کی برداشت سے باہر ہوجاتی ہے تو ہمت کر کے اسی راہ پر وہ خود بھی چل کھڑے ہوتے ہیں جس راہ پر وہ دوسرے کچھ بڑھتے تو اپنے پیش روؤں کی جرأت و عزیمت، حق کے لیے ان کی سبقت اور اس راہ کے عقبات میں ان کی استقامت کو دیکھ کر پیچھے رہنا بھی ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ دعوتِ حق کی عقلی اور استدلالی قوت، بے شک انھیں اتنا متاثر نہیں کرتی، لیکن اہلِ ہمت کا شوق اور ان کی عزیمت جلد یا بدیر انھیں لازماً تسخیر کر لیتی ہے۔ تاہم پیغمبر کو ان کے معاملے میں کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ حق کے متعلق جو شبہات خود ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور جو دوسروں کے پیدا کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں، وہ سب اگر دور کر دیے جائیں اور عزم و ہمت کی کچھ مثالیں ان کے سامنے آجائیں تو ان کی فطرت کا زنگ اتر جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر اللہ توفیق دے تو یہ پیغمبر کے ساتھی بن جاتے ہیں اور ہر آزمائش میں پورے خلوص اور حوصلے کے ساتھ اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

حق پرستوں کو گامزن دیکھتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ آنا اپنے ارادہ سے ہوتا ہے، نہ کہ کسی کے دباؤ سے، اور چونکہ ان کا یہ اقدام ان کی حمیت کے تقاضے سے وجود میں آتا ہے، نہ کہ کسی پوشیدہ خود غرضی کی تحریک ہے، اس وجہ سے عزم و بصیرت کا وہ زادِ راہ ان کے پاس موجود ہوتا ہے جو آئندہ مراحل و مشکلات میں ان کے ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور کسی بڑی سے بڑی آزمائش میں بھی ان کے پاؤں لڑکھڑانے نہیں دیتا۔

ان لوگوں کو حق کی طرف کھینچنے کے لیے داعی حق کو محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ یہ لوگ، جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، نہ عقلی اعتبار ہی سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ حق کا پورا تصور تصور بغیر عملی مثالوں کے ان کی گرفت میں آجائے اور نہ اخلاقی اعتبار ہی سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اگرچہ ان کے سایہ کے سوا کوئی بھی ان کے داہنے بائیں نہ ہو۔ ان کی دونوں کمزوریوں کی وجہ سے لازماً داعی کو ان کے ساتھ کچھ دنوں تک کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ حق ان کے سامنے ایسی وضاحت کے ساتھ کھول دیا جائے کہ اس کا کوئی پہلو گنجلک اور مبہم نہ رہ جائے۔ جو شبہات خود ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی دور کر دیا جائے اور جو شکوک دوسروں کے پیدا کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں، حتی الامکان ان کو بھی دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

ضعفاء اور منافقین: ضعفاء اور منافقین کو ہم نے محض ظاہری مشابہت کی وجہ سے ایک ہی زمرہ میں رکھا ہے، لیکن اپنی نیت و ارادہ کے اعتبار سے یہ دو الگ الگ جماعتیں ہیں، اس وجہ سے ہم یہاں ان دونوں کی صفات و خصوصیات پر مختصراً علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔

ضعفاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو حق سمجھ کر قبول تو کر لیتے ہیں اور نیتاً اسی حق کے مطابق زندگی بھی بسر کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کی قوتِ ارادی کمزور ہوتی ہے، اس وجہ سے خلوصِ نیت کے باوجود راہِ حق میں لڑکھڑاتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلتے ہیں۔ یہ لوگ بار بار گرتے اور اٹھتے ہیں، لیکن ہر گرنے کے بعد ان کا اٹھنا راہِ حق پر چلنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ گریں تو پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیں، یا اٹھیں تو اٹھ کر حق کے بجائے باطل ہی کی راہ پر دوڑ پڑیں، یہ لوگ اپنی تقصیر کے معترف اور اس پر نادم و شرمسار ہوتے ہیں اور برابر توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ کرتے رہتے ہیں۔ ذہن اور نیت کے اعتبار سے یہ فروتر نہیں

''ضعفا و منافقین'' میں مشابہت محض ظاہری ہوتی ہے۔ اپنی نیت اور ارادے کے اعتبار سے یہ بالکل الگ الگ لوگ ہیں۔ چنانچہ ان کے اوصاف و خصائص کو بھی اسی طرح الگ الگ سمجھنا چاہیے۔

''ضعفا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کی دعوت کو کسی نہ کسی مرحلے میں، بلکہ بعض اوقات اس کی ابتدا ہی میں قبول کر لیتے ہیں اور ان کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں اس کے تقاضے پورے کریں، لیکن قوتِ ارادی میں کمزوری کی وجہ سے بار بار گرتے اور اٹھتے ہیں۔ تاہم ان کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ہر بار جب گرتے ہیں تو توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنی خطاؤں کا ازالہ کرتے اور اپنا سفر ہر حال میں راہِ حق ہی پر جاری رکھتے ہیں۔

''منافقین'' اس کے برخلاف وہ لوگ ہیں جو کبھی محض عارضی تاثر کی بنا پر اور کبھی بہت سوچ سمجھ کر شرارت کے ارادے سے پیغمبر کے ساتھ آجاتے ہیں۔ پہلی صورت میں یہ ہمیشہ ''مذبذبین بین ذلک

ہوتے، اس وجہ سے ان میں بہتیرے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دعوت کے بالکل ابتدائی دور میں اس کو قبول کرنے کی ہمت کر لیتے ہیں لیکن آزمائش کے موقعوں پر ان کی قوتِ ارادی کا ضعف نمایاں ہوتا رہتا ہے اور شروع سے آخر تک یہ برابر تربیت و اصلاح کے محتاج رہتے ہیں۔

☆ منافقین کا گروہ زبانی اقرار کی حد تک تو دعوتِ حق کا ساتھی ہوتا ہے، لیکن ان کا دل باطل کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ محض کسی عارضی تاثر سے یہ حق کے ساتھ ہو جاتے ہیں، پھر جب راہ حق کی صعوبتیں اور آزمائشیں آتی ہیں تو اپنی اس غلطی پر پچھتاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں لیکن محض جھوٹی شرم کی وجہ سے حق کے ساتھ مجبورانہ بندھے رہتے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ حق کی طرف آتے ہی شرارت کے ارادہ سے ہیں تاکہ اہلِ حق کے کیمپ کے اندر گھس کر فساد کے مواقع تلاش کریں۔ محض دکھاوے کے لیے حق کے ہمدرد و ہوا خواہ بن جاتے ہیں، حقیقت میں دشمنوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ حق کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر اس سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور اپنے دنیاوی فوائد کی خاطر کچھ ظاہری لگاؤ اس کے ساتھ بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے بعض دوسرے محرکات و اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ حق کا اظہار تو کر دیتے ہیں اور ممکن حد تک اس بات کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ اس اظہار کو نباہتے ہیں، لیکن قدم قدم پر ان کی غلطیاں اور شرارتیں حقیقت کے چہرے کو بے نقاب کرتی رہتی ہیں۔ [دعوت دین اور اس کا طریقہ کار ص ۱۹۱ تا ص ۲۰۴ اشاعت ۲۰۰۵ء فاران فاؤنڈیشن لاہور]

لاالیٰ ھؤلاء ولا الی ھؤلاء '' کی تصویر بنے رہتے ہیں اور دوسری صورت میں ان کی حیثیت اہل ایمان کی صفوں میں دشمنوں کے ایجنٹ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کا کردار بھی وہی ہوتا ہے جس کی توقع اس طرح کے کسی ایجنٹ سے کی جا سکتی ہے۔

پیغمبر کے مخاطبین میں موافقین اور مخالفین کے یہ دونوں فریق جب پوری طرح ممیّز ہو جاتے ہیں اور پیغمبر بھی اپنے ساتھیوں کی معیت میں جنگ کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو خدا کی عدالت اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں یہ فیصلہ جس طرح صادر ہوا، اس کی تفصیلات یہ ہیں:

۱۔ قریش کی قیادت میں سے تمام معاندین بدر کے موقع پر ہلاک کر دیے گئے۔ یہ صرف ابولہب تھا، جس نے اس عذاب سے بچنے کی کوشش کی اور جنگ میں شامل نہیں ہوا۔ قرآن اس کے بارے میں اعلان کر چکا تھا کہ اپنے اعوان و انصار کے ساتھ اسے بھی بہر حال ہلاک ہونا ہے۔ چنانچہ بدر میں قریش کی شکست کے ساتھ دن بعد یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوگئی اور بنی ہاشم کے اس سردار کا عدسہ کی بیماری سے اس طرح خاتمہ ہوا کہ مرنے کے بعد بھی تین دن تک کوئی اس کے پاس نہ آیا۔ یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور بدبو پھیلنے لگی۔ آخر کار ایک گڑھا کھدوایا گیا اور لکڑیوں سے دھکیل کر اس کی لاش اس میں پھینک دی گئی۔

۲۔ احد اور احزاب میں مسلمانوں کی تطہیر و تزکیہ کے بعد مشرکینِ عرب کے تمام متربصین اور مغفلین کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد رسوائی کا عذاب ان پر مسلط ہو جائے گا جس سے نکلنے کی کوئی راہ وہ اس دنیا میں نہ پا سکیں گے۔

مضمون جاری ہے آئندہ شمارہ میں خالد مسعود اور امین احسن اصلاحی کے سرقوں کی تفصیلات ملاحظہ کیجیے اور غامدی اصلاحی مکتب فکر کی جانب سے ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی، سلیمان ندوی، عبداللہ العمادی پر سرقہ نویسی کے الزامات کا جائزہ۔ ساحل]